خطبۂ صدارت

جو

امام الاحرار حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

نے

آل انڈیا خلافت کانفرنس

کے

سالانہ جلسہ منعقدہ کانپور

میں

۲۴ دسمبر ۱۹۲۵ء کو دیا

اور

مجلس استقبالیہ نے شائع کیا

مطبوعہ محبوب المطابع واقع محلہ چرخیوالان دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرات! یہ دوسرا موقعہ ہے کہ آپ نے خلافت کانفرنس کی صدارت کے لئے مجھے منتخب فرمایا ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۲۰ء میں جب اس کا اجلاس ناگپور میں ہوا تھا آپ نے یہی خدمت میرے سپرد کی تھی۔ اب پانچ سال کے بعد دوبارہ مجھے موقعہ دیا ہے کہ آپ کے اعتماد اور محبت کا شکریہ ادا کروں

پنج سالہ گردش حوادث

پانچ سال کی یہ مدت انسانی عمر کی کوئی بڑی مدت نہیں ہے زمانہ کی غیر معلوم مگر طویل و عظیم عمر کا تصور کیجئے تو یہ پانچ برس اسکے ناپیدا کنار سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ ہستی نہیں رکھتے۔ تاہم غور کیجئے تو نظام شمسی کی انہی پانچ گردشوں کے اندر انقلاب و تغیر کی کتنی گردشیں دنیا پر گذر چکی ہیں! انقلاب کا ایک کامل دور ہے۔ جو ذہن اور جسم کے ہر گوشہ میں طاری ہے۔ جنگ عظیم گویا اس انقلاب کی پکار تھی۔ اب خود انقلاب تیزی کے ساتھ قدم بڑھا رہا ہے۔ ماضی کے نتائج ایک نئے مستقبل کیلئے

حقیقت فراموش نہیں کر سکتے کہ ہمارے لئے زندگی اور سرگرمی کی اصلی جگہ خود اپنی سرزمین اور وطن ہی ہے۔ غور کیجئے اس پانچ سال کے اندر یہاں کی دماغی و جماعتی حالت میں بھی کیسی کیسی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا ہمارے ملک کے مستقبل میں ان کے اثرات کیا کیا اور کس کس طرح کام دیں گے۔ خلافت کی حرکت کے ساتھ ہی ملک کی آزادی و استقلال کی جو متحدہ حرکت شروع ہوئی تھی۔ اور جس کی خصوصیتوں نے بہت جلد دنیا کی توجہ اور دلچسپی حاصل کر لی تھی۔ ایک خاص منزل تک پہنچکر رُک گئی۔ اور اُس کے بعد اس کے ردّ فعل (ری ایکشن) کے اثرات نہایت تیزی کے ساتھ ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔ اب سرگرمی کی جگہ افسردگی ہے۔ بیداری کی جگہ غفلت ہے۔ اتحاد کی جگہ انتشار ہے۔ ملک اور قوم کی جگہ فرقہ اور جماعت کی صدائیں ہیں اور کام کی رہی سہی قوتوں کے لئے نئے نئے گمراہ کرنے والے فتنے پیدا ہو رہے ہیں۔ ہندوستان کے موجودہ منظر کا سب سے زیادہ اور دردانگیز پہلو اس وقت نمایاں ہوتا ہے۔ جب مشرقی ممالک کے موجودہ تغیرات کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جائے۔ جبکہ مشرق کی تبدیلیاں آزادی و ترقی کی طرف جا رہی ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا ملک چند قدم اٹھا کر صرف تھک ہی نہیں گیا ہے۔ بلکہ واپسی کیلئے پیچھے دیکھ رہا ہے۔ افریقہ کے مٹھی بھر قبائل جس آزادی کی حفاظت کی راہ میں فرانس اور اسپین کی متحدہ طاقت کو پے در پے شکستیں دے سکتے ہیں۔ اس کے لئے ہندوستان اپنی اتنی وسیع آبادی کے ساتھ جو موجودہ نسل انسانی کا پانچواں حصہ ہے اپنی جہالت و غفلت کو بھی شکست نہیں دے سکتا۔ ہندوستان کی طرح شام بھی مختلف مذاہب اور نسل کی مشترک آبادی ہے۔ وہاں کے دروزی

ڈھل رہے ہیں۔ اور مستقبل جلد جلد اپنے آثار و علائم بھیج رہا ہے۔

عالمِ اسلامی کے تغیّرات

آج اس محل میں ہماری بحث و نظر کا دائرہ صرف ہندوستان اور عالمِ اسلامی کے اندر محدود ہے۔ لیکن جغرافیۂ عالم کے ان چند گوشوں کے حوادث بھی اس کے لئے کافی ہیں کہ ایک انقلاب انگیز عہد کے تاریخی خواص ان میں تلاش کئے جائیں۔

جدید ترکی کا ظہور اور نشو و نما، مصر کی سیاسی حرکت کا آتار چڑھاؤ، مشرق میں یورپ کے طامعانہ استعمار کا نیا دور۔ عراق، شام، اور فلسطین کی انگریزی فرانسیسی حکمبرداری، عثمانی خلافت کا اختتام۔ خاندان عثمانی کا ترکی سے اخراج، شمالی افریقہ میں امیر محمد بن عبدالکریم کی پے درپے فتحمندیاں حجاز کے ناگہانی اور فوری تغیرات۔ شریف حسین کی خودساختہ امارت کا خاتمہ۔ امیر ابن سعود کا داخلۂ حجاز۔ جزیرۃ العرب میں ایک نئی سیاسی صورت حال کی پیدائش۔ شام میں قومی حرکت کا طاقتور ظہور، خاندان قاچاریہ کا خاتمہ اور پہلوی شاہیت کا قیام، یہ، اور اسی طرح کے کتنے ہی واقعات ہیں جو اس قلیل عرصہ کے اندر گزر چکے اور گو ان کی انقلابی اہمیت ہم نے اپنی روزانہ زندگی کی مشغولیت میں محسوس نہ کی ہو لیکن تاریخ ان کے اندر قرنوں اور صدیوں کے تغیرات کا سراغ لگائیگی۔

مُلک کے داخلی تغیّرات

یہ تو ہماری دلچسپی کا بیرونی منظر تھا لیکن ہم کسی حال میں بھی یہ

اس کے صدمے سے ان کی جمعیت بھی بکھر گئی۔ اب نظم اور انضباط کی جگہ ہر طرف پراگندگی ہے۔ افکار پریشان ہیں۔ طبیعتیں غیر مطمئن ہیں یقین اور اعتقاد ہل گیا ہے۔ اور لوگ محسوس کر رہے ہیں کہ کوئی راستہ ان کے رہنما موجود نہیں۔ عام طور پر ملک میں غفلت و گمرہی کی جو آب وہوا پیدا ہو گئی ہے وہ خود بھی اسی میں بہہ رہے ہیں۔ اور حالت کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ اس سے الگ ہو کر اپنے فکر و دماغ کی درستگی کی انہیں مہلت نہیں ملتی۔ اگر فکر اور اعتقاد کی کوئی قوی اور بالاتر روشنی موجود نہ ہو تو اس تاریکی کا لازمی نتیجہ سرگردانی اور حیرانی ہے۔ چنانچہ یہ سرگردانی ہر طرف دکھائی دے رہی ہے۔ بہت سے لوگ کسی غیر معلوم اور غیر معین راہ کی جستجو میں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کوئی نیا قدم اٹھانا چاہیئے لیکن کس طرف اور کس طرح؟ اس کا جواب خود انہیں معلوم نہیں۔ جبکہ عام حالت ایسی ہو رہی ہے تو کچھ تعجب انگیز نہیں اگر جابجا جہل و فساد کے بہت سے سوئے ہوئے فتنے بھی بیدار ہو گئے ہیں۔

موجودہ حالت قدرتی ہے

حضرات! یہ تمام صورت حال کتنی ہی افسوسناک کیوں نہ ہو لیکن یقین کیجئے ان قدرتی قوانین کے ماتحت کچھ بھی تعجب انگیز نہیں ہے جو افراد کی طرح قوموں اور جماعتوں کے لئے بھی اس دنیا میں نافذ ہیں۔ یہ علم و حقیقت کا صریح انکار ہو گا اگر ہم مرعوب ہو کر سراسیمہ ہو جائیں جس طرح ایک فرد پر اس کے جسم و دماغ کی مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں اور وہ حالتیں اس درجہ عام اور یکساں ہیں کہ ان کا علم و احساس کم و بیش ہر انسان میں موجود ہے۔ جسم کی صحت اور بیماریاں، دماغ کا نظم اور اختلال، جذبات کا سکون

قبائل، عام مسلمان، اور مسیحی جماعتیں صدیوں سے باہمدگر قتل و غارت میں سرگرم رہی ہیں مسلمانوں اور مسیحیوں کے مذہبی اختلاف کے لئے صرف صلیبی لڑائیوں ہی کا افسانہ کافی ہے جس کے آٹھ خونیں سیلاب اسی سرزمین میں بہہ بہہ کر خشک ہو چکے ہیں۔ تاہم آج اپنے ملک کی آزادی کے لئے ان سب کا متحدہ نعرہ یہ ہے "الدین لیدِہ و الوطن للجمیع" وطن ر . . کے لئے ہے اور ہر شخص کا دین اس کیلئے لیکن ہندوستان کا حال کیا ہے؟ یہ ہے کہ اس کی بہترین تعلیمی اور سیاسی پیداوار بھی آج اس حد تک جا . . . کر . . نہ طیار نہیں۔ مذہبی منافرت، جماعتی تہ . . . فرقہ وارانہ تنگ دلی، اور محکومانہ ذہنیت کے تمام مفاسد ہماری راہ بدستور روکے کھڑے ہیں!

مسلمانانِ ہند

جہاں تک مسلمانانِ ہند کی جماعتی زندگی کا تعلق ہے ۱۹۲۰ء کی ابتدا سے ۱۹۲۵ء کا خاتمہ ہر اعتبار سے مختلف ہے۔ اگر انہیں دو مخالف سمتوں سے تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ گذشتہ حرکت کا . . . سے زیادہ نمایاں اور موثر پہلو یہ تھا کہ مسلمانوں میں متحدہ مقاصد کے لئے متحدہ جدوجہد کی سرگرمی پیدا ہوئی۔ ان کی پراگندی نظم اور انضباط سے آشنا ہوئی۔ انہوں نے ہندوستان کے موجودہ دور میں پہلی مرتبہ مقصد، قوم، فرض، اور ایثار کی راہ میں قدم اٹھایا، مختلف اسباب سے جن کی تشریح کا یہ موقعہ نہیں وہ ملک کی سرگرمی میں اپنے برادرانِ وطن سے بہت پیچھے تھے۔ اس حرکت نے مسلمانوں کے قدم بھی میدان کی طرف اٹھا دئے۔ لیکن موجودہ حالت بالکل اس سے متضاد ہے گذشتہ حرکت جو پوری تیزی کے ساتھ جاری تھی۔ اچانک رک گئی اور

بیماری اگر پرانی اور تمام اعضاء میں پھیلی ہوئی ہے۔ تو علاج کی کوششوں کو بھی اسی مناسبت سے اپنے اندر صبر اور برداشت پیدا کرنی چاہیئے۔ کیوں ہم علاج کی کسی ایک کوشش کی ناکامی یا بیماری کا کوئی ایک سخت ظہور دیکھکر گھبرا جائیں؟ اگر علاج منظور رہے تو ہمیں ایک طبیب کے علم اور ایک تیماردار کی برداشت کے ساتھ اس وقت تک کام جاری رکھنا پڑے گا۔ جو حکمت الٰہی نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ ہم ایک فرد کی معمولی سی بیماری کے لئے بھی یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ وہ کب تندرست ہو جائے گا باوجودیکہ جسمانی صحت کے قوانین ہم نے منضبط کر لئے ہیں۔ پھر ہم ایک پوری قوم کے علاج میں کسی ایسے معجزانہ نتیجہ کے کیوں منتظر ہوں؟ اور ایک ابتدائی کوشش کی ناکامی یا نتیجہ کی تاخیر کیوں ہمیں سراسیمہ کر دے؟ ہم مرض کی کہنگی اور شدت پر غمگین ہونگے لیکن صحت کی طلب میں ہمارے جو عقائد اور یقین ہیں ان سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔

مسئلہ ہند کے اصول و عقائد

حضرات! یقیناً ملک کی موجودہ صورت حال ہر محب وطن کے لئے انتہائی غمگینی کا سامان ہے۔ لیکن میں پوری سنجیدگی کے ساتھ اس پر اپنی حیرت ظاہر کرونگا کہ مایوسی یا انقلاب عقائد کا سامان کیوں ہو؟ کیا ہم نے ملک اور قوم کی نجات و ترقی کی راہ میں قدم نہیں اٹھایا ہے؟ کیا کروڑوں انسانوں کے ذہن و عمل کے انقلاب کا عظیم و گرانبار کام ہمیں درپیش نہیں ہے؟ کیا مذہب نسل، تاریخ، زبان، رسم و رواج، تہذیب اور معاشرت کے گہرے اختلافات اور جہل و غفلت کی بیشمار خرابیاں ہماری راہ میں حائل نہیں؟ کیا یہ حقیقت

اور ہیجان، ہمارے لئے زندگی کے عام اور قدرتی حالات ہیں۔ ٹھیک یہی حال قوموں اور جماعتوں کا بھی ہے۔ اُن کا بھی ایک مجموعی اور نوعی دماغ ہے۔ اور اس کے لئے بھی نظم واختلال اور سکون و ہیجان کی مختلف حالتیں ہیں البتہ فرد کی زندگی شب و روز ہم پر گزر رہی ہے اور ہمارے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے ہم اس کے اندر قوانین زندگی کی کارفرمائی محسوس کر رہے ہیں۔ مگر قوموں اور جماعتوں کی نوعی زندگی کے تغیرات کی رفتار بہت ہی سُست ہے۔ گھنٹے کی سوئی کی طرح اس کی حرکت مشاہدہ میں نہیں آتی اگرچہ منٹ کی سوئی کی طرح وہ بھی متحرک ہے۔ تغیر کے ایک نقطہ سے لے کر دوسرے نقطہ تک پہنچنے کے لئے بسا اوقات انہیں قرنوں اور صدیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہمارا محدود و ناقص علم اس گوشہ کا بھی احاطہ کر سکتا تو ہم قوموں اور جماعتوں کے تمام احوال کو اُسی نظر سے دیکھتے جس نظر سے ایک طبیب بیمار کا جسم اور ایک حکیم انسان کے دماغی خواص دیکھتا ہے۔

مایوسی کی کوئی وجہ نہیں

ہندوستان کے اس پورے آباد رقبہ کو ایک فرد کی طرح تصور کیجئے اور مجھے جواب دیجئے کہ کائنات ہستی کے اس وجود کو بھی وہ سب کچھ کیوں نہ پیش آئے۔ جو ہمیشہ ان حالات اور ان ظروف میں پیش آتا رہا ہے۔ اور جب تک خالق کائنات کی مرضی ہوگی پیش آتا رہیگا۔ یہ وجود بیمار ہے اور اسے تندرستی حاصل کرنی ہے۔ بیماری کے اسباب ایک نہیں بےشمار نئے نہیں پرانے ہیں۔ صرف بیرونی نہیں اندرونی بھی ہیں۔ ضروری ہے ان سب کے نتائج ظاہر ہوں۔ اور ناگزیر ہے کہ بار بار اتار چڑھاؤ پیش آئے

اور پریشان حالی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ ضروری ہے کہ جلد از جلد ایک نیا دور شروع ہو۔ اور ہم از سر نو اپنی تمام بکھری ہوئی قوتیں کسی ایک مرکز پر جمع کر لیں۔ ہمیں چاہیے کہ نہ تو گذشتہ پر ماتم کریں نہ حال کے ہمت شکن نظاروں سے افسردہ ہوں۔ بلکہ قدم اٹھائیں۔ اور امید کے ایک نئے آغاز پر دستک دیں ؎

تفاوت ست میان شنیدن من و تو
تو بستن در و من فتح باب می شنوم

حضرات! ایک ایسے وقت میں آپ نے مجھے دوبارہ صدا دی ہے آپ میں سے اکثر احباب اس بات سے بے خبر نہ ہوں گے کہ میں کئی سال سے اس کوشش میں ہوں کہ صرف اپنی قلمی مشغولیت ہی کے لئے وقف ہو جاؤں۔ میری طبیعت کا یہ میلان محض میرے ذوق طبیعت ہی کا تقاضا نہیں ہے۔ بلکہ میرا یقین ہے کہ میرے لئے وقت کی تمام قومی خدمات میں یہی خدمت سب سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ گذشتہ پانچ سال کے اندر میں نے بار بار کوشش کی کہ قومی مجالس کی سرگرمیوں کے ساتھ یہ کام بھی جاری رکھوں لیکن تجربے سے معلوم ہو گیا کہ بغیر یکسوئی کے ممکن نہیں۔ بالآخر مجبور ہو کر فیصلہ کر لینا پڑا کہ ان سرگرمیوں سے بالفعل کنارہ کش ہو جانا چاہیے۔ اور اگر ان میں حصہ لینا بھی چاہیے تو صرف اسی حد تک جہاں تک میری قلمی مشغولیت کا ضروری انہماک اجازت دے۔ اس حالت کا یہ قدرتی نتیجہ تھا کہ مجھے اس نئی ذمہ داری کی قبولیت میں تامل ہوتا۔ مجھے تامل ہوا۔ لیکن بالآخر جب میں نے گردوپیش پر نظر ڈالی تو اس کے سوا چارہ نظر نہ آیا کہ اپنے فیصلہ پر وقت کے تقاضہ کو ترجیح دوں اور تسلیم کر لوں کہ ہم خدمت گزارانِ قوم کے لئے اصلی فیصلہ وہی ہے جو وقت کا

نہیں ہے کہ مرض صدیوں سے موجود ہے۔ اور علاج کی عمر چند برسوں سے زائد نہیں! یہ چند برس بھی قوموں کی زندگی کے لئے زیادہ سے زیادہ چند ایام ہیں؟ اگر ان صاف اور سادہ سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو ضروری ہے کہ ہمارے سامنے اعتقاد، یقین اور علم کی روشنی موجود ہو۔ ہم نے ایک بے خبر اور ناآشنا آدمی کی طرح قدم نہ اٹھایا ہو جسے راہ کی ہر مشکل متحیر کردیتی ہے۔ اور ہر رکاوٹ پر وہ ہمت ہار کر بیٹھ رہتا ہے۔ حالات کی تبدیلی، کوششوں کی ناکامی، مشکلوں اور رکاوٹوں کی کثرت سے ہماری کوششوں کی صورت اور مقدار میں تبدیلی ہونی چاہئے۔ لیکن ہمارے عقائد اور اصول کیوں بدلیں؟ اگر ہندوستان کی نجات کی راہ میں غفلت و فساد نے نئی نئی رکاوٹیں پیدا کردی ہیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ ہم اعتراف کرلیں کہ اب منزل زیادہ دور ہو گئی اور کام اس سے کہیں زیادہ ہے جس قدر ہم نے سمجھ رکھا تھا۔ لیکن یہ نتیجہ تو نہیں ہونا چاہئے کہ آزادی ہمارے لئے غیر ضروری ہوجائے! غلامی کی زندگی پر ہم قانع ہوجائیں! اور اس کی پہلی شرط یعنی باہمی امن و اتحاد کی جگہ باہمی جنگ و پیکار کا فیصلہ کرلیں! علم اور روشنی کے ہر کام کی طرح ضروری ہے کہ اس راہ میں بھی ہمارے سامنے کچھ بنیادی اصول ہوں۔ اگر وہ موجود ہیں تو اصول میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

درمیانی وقفہ اور دعوت عمل

حضرات! حقیقت حال یہ ہے کہ ہماری سرگرمی کا ایک دور ختم ہو چکا ہے مگر دوسرا ابھی شروع نہیں ہوا۔ اس لئے درمیانی وقفہ کی اداسی

مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔

وقت کے مباحث

حضرات! اس قدر تمہیدی کلمات ناگزیر تھے۔ اب آپ اجازت دیں کہ پیش نظر مسائل کی طرف متوجہ ہوں۔ مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے وہ نہایت مختصر ہے میں چاہتا ہوں جہانتک ممکن ہو آپ رسم و نمائش کی جگہ حقیقت اور عمل کی طرف متوجہ ہوں۔ میری جانب سے اس راہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ خطبۂ صدارت کے روایتی امتیاز و نمائش سے اپنی دست برداری کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ سالانہ تمہید ... و انشا پردازی کی پُر تکلف نمائش ممکن ہے ملک کے ادبی ذخیرہ میں کچھ اضافہ کا موجب ہوتی ہو۔ لیکن اپنے محل اور وقت کے لئے تو قطعاً غیر ضروری ہے۔ اس کا غیر ضروری ہونا ہی اس کی ناموزونیت کے لئے کافی تھا۔ لیکن اس کے سننے کا بوجھ حاضرین کے لئے کس درجہ ناقابل برداشت ہو جاتا ہے جبکہ وہ غیر دلچسپ بھی ہوتا ہے۔ ایک تحریر جو لکھی ہوئی اور چھپی ہوئی موجود ہوتی ہے اور جسے ہر شخص اپنی فرصت کے اوقات میں پڑھ سکتا ہے صرف اس لئے تین تین اور چار چار گھنٹہ تک پڑھی جاتی ہے تاکہ کسی نہ کسی طرح ایک رسم پوری کردی جائے۔ میں نے قومی مجالس کے اس وقت کی تلخی ہمیشہ محسوس کی ہے اور میں اسے گوارا نہیں کروں گا کہ خود بھی آپ کے لئے اس تلخی کا موجب بنوں۔ بلا شبہ میں محسوس کرتا ہوں کہ وقت کے متعدد مسائل بحث و بیان کے مستحق ہیں لیکن میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ اس قومی مجلس کا وقت جو نظر و بحث کے لئے نہیں بلکہ عملی تدابیر کے لئے ہے۔ ان مباحث کے لئے کیوں حاصل کروں اخبار و رسائل کے ذریعہ تحریر و اشاعت کا موقعہ ہمیشہ حاصل ہے۔ پس یہاں

فیصلہ ہو۔ ہمیں پسند اور اختیار کی بہت سی چیزوں کی طرح اپنے فیصلہ کے حق ترجیح سے بھی دست بردار ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ میں نے آپ کی دعوت منظور کر لی اور اس وقت آپ کے سامنے موجود ہوں۔ آیئے، اپنی [1] ۔۔۔ و سعی کا سفر از سر نو شروع کر دیں۔ ہمارا سفر قوموں اور ملکوں کا سفر ہے۔ ہمیں انسانی اولوالعزمی اور فیروزمندی کی منزل کی طرف جانا ہے۔ ہمیں اپنی گم گشتہ سعادت کا سراغ لگانا ہے۔ ہمیں اپنی راہ سے بے شمار رکاوٹیں دور کرنی ہیں ہمیں خطروں اور مصیبتوں کے بیابان طے کرنے ہیں۔ خدارا مجھے جواب دیجئے کیا ایسے عظیم و گرانبار مقصد کے لئے راہ کی درازی اور سفر کی تھکن محسوس کی جاسکتی ہے؟ ہم ابھی چلے ہی کتنے ہیں کہ ستانے کے لئے بیٹھ جائیں؟ ہماری یہ چند برسوں کی حرکت قوموں کے سفر کے لئے بمشکل چند قدم تھی۔ اگر ہمیں موت سے زندگی، پستی سے بلندی، اور ذلت سے شرف و عظمت کیطرف پلٹنا ہے تو نہیں معلوم ایسے کتنے ہی سفر پیش آئیں گے۔ اور ہر مرتبہ ہمیں نئے عزم اور تازہ ہمت کے ساتھ اٹھنا اور بڑھنا پڑے گا۔ اگر ہم مقصود سے غافل نہ ہوں اور صرف سفر ہی جاری رکھیں تو یقین کیجئے اس راہ میں چلتے رہنا ہی بجائے خود مقصود ہے۔ ؎

رہروان راخستگی راہ نیست
عشق ہم راہ ست وہم خود منزل ست

کیا ہم فی الحقیقت بڑھنے کے لئے طیار ہیں؟ میں سمجھتا ہوں اس کا صحیح جواب وہ نہ ہوگا جو آج ہماری زبانیں دیں گی۔ بلکہ وہ ہوگا جو سال آئندہ کے خاتمہ پر ہماری صورت حال دے سکے گی۔ اب ہمیں اعلان و دعویٰ ختم کر دینا چاہئے۔ اور عمل کے لئے مستعد ہو جانا چاہئے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً وَّ ہَیِّئۡ لَنَا

میں ہندوستان کا ایک دن کے لئے بھی اپنی غلامی پر قانع رہنا فی الحقیقت کسی قوم کی غلامانہ برداشت کی انتہا ہے۔ افسوس کہ ہمیں معلوم نہیں ہماری بدبختی کی یہ برداشت کب تک جاری رہے گی۔ میں امید کرتا ہوں۔ اس وقت ہم میں ہمارے جنوبی افریقہ کے بھائیوں کا وفد موجود ہے۔ میں آپ کی جانب سے انہیں یقین دلاؤں گا کہ ہم اگرچہ اپنی بدقسمتی کی وجہ سے آج بے دست و پا ہیں۔ تاہم ہم میں ایک دل بھی ایسا نہیں ہے۔ جو اپنے سمندر پار کے بھائیوں کی اس مصیبت کے احساس سے خالی ہو۔ ہم ان کی جدوجہد میں اپنی تمام ممکن قوتوں کے ساتھ شریک ہیں۔

حضرات! ہندوستان سے باہر کے بعض تازہ حوادث بھی نہ صرف سال رواں میں بلکہ اس پورے دور میں اپنے آثار ونتائج کے اعتبار سے یادگار رہیں گے۔ عنقریب تاریخ مختلف عنوانوں سے ان کی داستانیں مرتب کریگی۔

بالآخر موصل کے قضیہ کا نام نہاد مجلس اقوام نے فیصلہ کر دیا۔ یہ مجلس برطانیہ اور فرانس کی وزارتوں کا جنیوا میں ایک نیا دفتر ہے۔ اس لئے اس کا فیصلہ انصاف کے کتنے ہی خلاف ہو لیکن توقع کے خلاف نہیں ہے۔ امید نہیں ترکی حکومت اس صریح جبر و نا انصافی کو جو اس کی ترکی آبادی ورقبہ کا ایک اہم ٹکڑہ اس سے الگ کر دیتی ہے منظور کرلے اگر ترک ایسا کرنے پر مجبور ہوئے تو جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے ایک بات بالکل صاف ہے۔ ہندوستان اپنی تمام موجودہ کمزوریوں اور غفلتوں کے ساتھ بھی اس غلطی کا دوبارہ مرتکب نہیں ہو سکتا جس میں وہ ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک مبتلا رہ چکا ہے۔ وہ یقیناً اس

مجھے آپ سے جو کچھ کہنا ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ آیندہ بارہ مہینے کے لئے ہماری جدوجہد کا پروگرام کیا ہونا چاہئیے؛

سال رواں کے بعض حوادث

لیکن، حضرات! خواہ ہم وقت کے احتساب میں کتنی ہی سختی کریں تاہم سال رواں کے بعض اہم حوادث ایسے ہیں۔ جن کی یاد سے اپنے دلوں کو اس وقت نہیں روک سکیں گے۔ دیش بندھو چترنجن داس کی وفات ہمارے ملک کا ایک نقصان عظیم ہے۔ وہ ملک کے ان سیاسی رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ جن کی ذات ہر ملک و قوم کے لئے موجب فخر ہوسکتی ہے ان کی رہنمائی سے ملک ایسے وقت میں محروم ہوا جبکہ ان کے تدبر، حب الوطنی اور متحدہ قومیت کے سچے اور مضبوط اعتقاد کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ سر سریندر ناتھ بنرجی کے انتقال سے بھی ہندوستان کی سیاسی شخصیتوں میں سے ایک دوسری شخصیت کی جگہ خالی ہوگئی۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں کیسا ہی مسلک اختیار کیا ہو تاہم ملک کی سیاسی زندگی کی پیدائش میں، ان کی طویل خدمات تاریخ ہند میں اپنی جگہ حاصل کرچکی ہیں سال رواں میں ملک کا موجودہ نظام حکومت بدستور اپنے جابرانہ خواص کی نمائش میں سرگرم رہا۔ اور ہندوستان اپنی غلامانہ زندگی کی بے بسی برابر محسوس کرتا رہا۔ جنوبی افریقہ میں ایشیاٹک بل کا معاملہ اس حقیقت کا ایک تازہ ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ ہندوستان کی غلامانہ زندگی نے اس کے فرزندوں کی ذلت و مصیبت آخری درجہ تک پہنچادی ہے۔ اور یورپ کا نسلی تعصب، نوع انسانی کے قدرتی حقوق کے خلاف دنیا کی ایک عالمگیر مصیبت ہے۔ ایسی حالت

انجام پائی ہے۔ آپ قدرتی طور پر منتظر ہوں گے کہ اب میں فوراً دنیا کی اخلاقی زبان کے وہ تمام الفاظ بول جاؤں۔ جو ہمیشہ ایسے موقعوں پر بولے جاتے ہیں میں انسانیت کا ذکر کروں، تہذیب کا حوالہ دوں، انسانی حقوق اور انصاف کی پامالی پر ماتم کروں، اور کم از کم آپ کو یاد دلاؤں کہ نام نہاد لیگ آف نیشنز اور یورپ کی خیا ضانہ اور مربیانہ علمبرداری کے نتائج یہ ہیں جو بدقسمت مشرقی اقوام کے حصہ میں آتے ہیں۔ لیکن میں ایسا نہیں کرونگا۔ یہ قطعاً بیسود ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایک معلوم و محسوس حقیقت سے انکار کرنا ہے۔ میں انسانی ظلم و حرص کی اس ہولناکی کا تو ذکر کرسکتا ہوں۔ جو موجود ہے لیکن انسانی تہذیب و انصاف کی ان امیدوں کا کیوں ذکر کروں جن کا فی الحقیقت کوئی وجود ہی نہیں ہے؟

انسانی ظلم و ناانصافی ہمیشہ کی طرح آج بھی موجود ہے۔ اس لئے ہم اس کے نتائج دیکھ رہے ہیں۔ لیکن انسانیت اور انصاف کہاں ہے جس کی پامالی پر متعجب ہوں؟ طاقت نے کمزوری اور غرباء کے ساتھ کب انصاف کیا ہے کہ آج کرے گی؟ ہر انصاف جس کا مطالبہ کمزوری کرے۔ رحم ہے۔ اور اس دنیا میں قومیں رحم نہیں کیا کرتیں۔ یہاں صرف طاقت اور ضرورت کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ اور اسی کا نام انصاف ہے۔ نہیں۔ چاہئے کہ حقیقت کے خلاف ہر فریب خیال سے انکار کردیں!

سرزمین حجاز کے حوادث میں جہاں ایسے نتائج موجود ہیں۔ عجب نہیں تاریخ اسلام کے لئے ایک نئے دور اصلاح و ترقی کا دروازہ کھولیں وہاں ہمارے لئے بازماندگان حجاز کے مصائب کا تصور بھی کچھ کم المناک نہیں۔ شریفی حکومت جس کا وجود اسلام اور عرب کیلئے موجودہ

سے انکار کر دے گا کہ اس کی مادی اور اخلاقی قوتیں آئندہ کسی ایسی جنگ کے لئے استعمال کی جائیں جس کا مقصد محض برطانی شہنشائیت کے جابرانہ اغراض ہیں۔ یقیناً ہندو تان کے بدقسمت مسلمان اب اس کے لئے طیار نہ ہوں گے کہ برطانی شہنشاہیت کے لئے ان ترکوں کے سینوں پر گولیاں چلائیں جو اپنے قومی و وطنی حق کی حفاظت کے لئے دفاع پر مجبور ہوئے ہیں

سرزمین شام کی وحشیانہ بربادی خصوصاً دمشق اور اس کے بے گناہ باشندوں کا ہولناک قتل عام شاید نوع انسانی کے لئے موجودہ عہد کا سب سے زیادہ ماتم انگیز واقعہ ہے۔ عظیم وجمیل دمشق جو دنیا کی "تاریخی آبادیوں میں سے ایک ہے، جس کا چپہ چپہ "تاریخ مشرق کے بیش قیمت آثار کا دفینہ ہے۔ جو ایک صدی تک اسلام کے شاندار عہد عروج و تمدن کا مرکز رہ چکا ہے۔ جس کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے ایک زمانہ میں حافظ ابن عساکر کو اسّی ضخیم جلدیں لکھنی پڑی تھیں، اب ایک منہدم کھنڈر ہے۔ اور متصل بہتر" گھنٹہ کی گولہ باری نے جو کسی میدان جنگ کے لئے بھی ایک ہولناک ہلاکی تھی اسے انسانی قتل و غارت کا ایک وسیع مدفن بنا دیا ہے۔ نسل انسان کی یہ تازہ ترین ہلاکت کن ہاتھوں سے انجام پائی ہے؟ فرانس کے ہاتھوں سے۔ اس فرانس کے ہاتھوں سے جس نے اپنے انقلاب کی زبانی نوع انسانی کو حقوق، مساوات اور آزادی کا پیغام دیا تھا۔ اور جس کے روسوے والٹیر، میرابو، اور لافیٹ، وکٹر ہیوگو کے لفظوں میں "نسل انسانی کے مقدس نجات دھندہ" تھے!

حضرات! "تاریخ عالم کے موجودہ عہد کی اس ہولناک بربریت کے ذکر کے بعد جو نوع انسانی کی اس نجات دھندہ قوم کے ہاتھوں

نہیں کی جا سکتی۔ اور عجب نہیں بہت جلد حق و باطل کا آخری فیصلہ ہو جائے۔
اسی طرح شام میں شجاع اور جانفروش دروزیوں کی قومی حرکت کیسی شاندار اور اُمید افزا ہے؟ بہادر دروزیوں کی حرکت پہلے صرف جبل حوران کے قبائل ہی میں محدود تھی۔ لیکن دمشق کی ہولناک بربادی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب تمام آبادی اُن کے ساتھ شامل ہو گئی ہے، اور غوطہ کے مرغزاروں سے لیکر جبل حوران کی سنگلاخ گھاٹیوں تک استقلال یا موت کا نعرہ بلند ہے نہیں کہا جا سکتا آیندہ حالات کیا صورت اختیار کریں۔ تاہم یہ تو واضح ہے کہ شام نے اپنے مقصد کی طرف عزم و ہمت کا قدم اُٹھا دیا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ سفر جلد طے ہو۔ لیکن ضروری ہے کہ طے ہو اور اب یا کسی قریبی مستقبل میں منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ ہندوستان بھی اسی منزل کا ایک پا شکستہ رہرو ہے۔ اس کے دل کی آرزومندیاں اور روح کی بے چینیاں اپنے برادران شام کی کامیابیوں کی راہ تک رہی ہیں!

ایران کے نئے انقلاب میں خاندان قاچاریہ کی شاہیت کا خاتمہ یقیناً ایک ایسا واقعہ ہے جس کا تمام مشرق خیر مقدم کریگا۔ یہ سلسلہ حکومت ایران کے عہد تنزل کی پیدا وار تھا۔ اس لئے شخصی حکومت کے بدترین مفاسد اس کے خمیر میں داخل تھے۔ اس کی پوری تاریخ اس عظیم سرزمین کے مصائب کی ایک مسلسل داستان ہے۔ یہ داستان جس قدر جلد ختم ہو جاتی بہتر تھا۔ لیکن دنیا کو عرصہ تک انتظار کرنا پڑا۔ البتہ یہ انقلاب کیسا شاندار اور مکمل ہوتا اگر ایک نئی شاہیت کے آغاز کی جگہ ہم ایران کی جمہوریت کا اعلان سنتے؟

۱ خاندان قاچاریہ کے عزل کے بعد دنیا کو قدرتی طور پر اسی کا انتظار

عہد کی سب سے بڑی ... تھی۔ اپنا آخری لمحہ حیات بھی ظلم و استبداد کے بغیر بسر نہ کر سکی۔ مدینہ منورہ کے ہزاروں باشندے فقر و فاقہ سے مجبور ہو کر شہر سے نکل گئے اور اس وقت حجاز کے ساحلی مقامات میں خانہ ویرانی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ہمارے وفد حجاز نے ان کے مصائب کا درد انگیز پیام مسلمانان ہند کے نام بھیجا ہے۔ میں آپ کو خصوصیت کے ساتھ توجہ دلاؤں گا۔ کہ تمام خلافت کمیٹیوں کے ذریعہ کوشش کی جائے کہ آیندہ حج کے لئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں حجاج روانہ ہوں۔ اہل حجاز کی معیشت کا دارومدار زیادہ تر موسم حج کی رونق و کثرت پر ہے۔ جس قدر زیادہ حاجی جائیں گے اسی مناسبت سے ان کی اقتصادی حالت سال بھر تک بہتر رہے گی۔

طلوعِ اُمید

لیکن حضرات! ان المناک حالات کی تاریکی میں امید اور مراد کی روشنی بھی کیسی تابندہ و نمایاں ہے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ آثار اپنے پیچھے کیسا روشن طلوع رکھتے ہیں؟

شمالی افریقہ میں امیر محمد بن عبد الکریم کی فتح مندیاں حق و آزادی کے معجزات باہرہ میں سے ایک نیا معجزہ ہیں۔ اسپین کی تنہا فوجی طاقت جب بار بار ٹکرا کر رہ گئی تو فرانس اور اسپین نے اپنی متحدہ قوت کا اسے نشانہ بنایا۔ مٹھی بھر بے سر و سامان قبائل اور موجودہ عہد کی دو متمدن خونریز طاقتوں کا مقابلہ ہو تو یہ دنیا کے لئے ایک عجیب نظارہ تھا۔ تاہم جو نتائج نکلے وہ ہمارے سامنے ہیں۔ اس وقت تک ایک بالشت بھر زمین بھی ریفی علاقہ کی مسخر

مرکزی خلافت کمیٹی اور اُس کا نظام

حضرات! قبل اس کے کہ میں آپ کو وقت کے اہم کاموں کی طرف توجہ دلاؤں چند الفاظ اس بارے میں بھی کہنا چاہتا ہوں۔ کہ بحالت موجودہ ہماری ملکی سرگرمیوں میں خلافت کمیٹی کی نوعیت کیا ہے؟ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس بارے میں صاف اور واضح خیالات کی ضرورت ہے۔ خلافت کمیٹی جس وقت قائم ہوئی تو دو مقصد اس کے پیش نظر تھے مسئلۂ خلافت کے لئے ملک میں عام جدوجہد قائم رکھنا اور مسلمانوں میں خصوصیت کے ساتھ ملکی آزادی کے لئے سرگرمی پیدا کرنا۔ اس آخری مقصد کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ اس راہ میں مسلمانوں کے قدم بہت پیچھے تھے اس لئے ضروری تھا۔ کہ خصوصیت کے ساتھ ایک جماعت ان میں سرگرمی پیدا کرتی رہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ جہاں تک مسئلہ خلافت کا تعلق ہے کوئی ایسی جدوجہد موجود نہیں ہے جس کے لئے تمام ملک میں ایک مستقل نظام کی ضرورت ہو۔ اور جو مسائل درپیش ہیں۔ ان کے لئے صرف مرکزی کمیٹی کافی ہے۔ باقی رہا دوسرا مقصد، تو کہا جا سکتا ہے کہ اس کے لئے بھی اب ضروری نہیں کہ خلافت کمیٹی کے نام سے تمام صوبوں اور ضلعوں میں کوئی نظام قائم رکھا جائے مسلمانوں میں جو لوگ ملک کی موجودہ افسردگی اور ہندو مسلم نا اتفاقیوں سے پریشان خاطر ہو چکے ہیں۔ وہ تو آگے کی طرف دیکھنے کے لئے کوئی نگاہ نہیں رکھتے۔ اور جب پیچھے دیکھتے ہیں تو انہیں خیال ہوتا ہے کہ خلافت کمیٹی کی جگہ سے ہٹ کر کیوں نہ کوئی نیا نظام قائم کر لیا جائے۔ یا کم از کم کوئی پچھلا نظام ہی کیوں نہ از سر نو زندہ کر لیا جائے۔ جن لوگوں کی پریشان خاطری اس حد تک نہیں پہنچی ہے کہ

تھا۔ مگر اسے مایوسی ہوئی۔ تاریخ نے تعجب انگیز صورت میں اپنا ایک مشہور باب دہرادیا اور ایران کے جمہوری مواد سے اچانک ایک نیا تاج و تخت شاہی آراستہ ہوگیا۔ بہرحال یہ ایران کے لئے ترقی کا ایک قدم ضرور ہے۔ آج اس کا تاج شاہی اس کے طاقتور اور صاحب عزم رہنما کے سر پر ہے۔ اور تاریخ منتظر ہے کہ اس واقعہ کے نتائج کا فیصلہ کرے۔

حضرات! آیئے، اب وقت کے سب سے آخری مگر سب سے اہم واقعہ کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ سرزمین حجاز کے عظیم الشان انقلاب کی تکمیل ہے۔ مدینہ منورہ میں نجدی فوجیں امن و امان کے ساتھ داخل ہوچکی ہیں۔ اور جدّہ کی تسخیر کی بھی تصدیق ہوگئی ہے۔ اب شریف حسین کے فتنہ سے یہ سرزمین مقدس پاک ہوگئی۔ اور اس طرح وہ عظیم الشان اسلامی خدمت مکمل ہوگئی جس کا شرف قدرت الٰہی نے امام عبدالعزیز آل سعود کے نام لکھدیا تھا۔

فی الحقیقت، نجدی افواج کا حجاز میں داخلہ اس سے کہیں زیادہ اہم واقعہ ترتیب دے رہا تھا جس قدر دنیا کی نگاہوں نے تصور کیا تھا۔ اب نہ صرف سرزمین حجاز بلکہ جزیرۃ العرب کے لئے بالکل ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی ہے موجودہ عرب کا سب سے بڑا انسان ہمارے سامنے نمودار ہوگیا ہے۔ اور ایک عظیم مستقبل اس کے [illegible] میں ہے۔ اب صدیوں کے بعد مسلمانان عالم کو موقعہ ملا ہے کہ سرزمین حجاز کی تجدید و اصلاح کے خواب کی تعبیر ڈھونڈھیں اگر مسلمانانِ عالم کی رائے عامہ نے اس انقلاب حال کی قدر و قیمت محسوس نہ کی تو عجب نہیں وہ تاریخ کی نظروں میں ایک بہت بڑی فرصتِ عمل ضائع کردینے کے مجرم ثابت ہوں۔

اکی سیاسی و عملی سرگرمی کی رفتار ترقی میں سے ایک منزل گم ہو جائے گی۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے اس حلقہ کی بڑی خصوصیات جو اسے دوسرے حلقوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ یہ ہیں کہ یہ ہندوستان کی آزادی و نجات پر جو متحدہ قومیت کے ذریعہ حاصل ہو گی یقین رکھتا ہے موجودہ صورتِ حال کی بدقسمتی اس کام میں کتنی ہی دشواریاں پیدا کردے لیکن وہ طیار نہیں کہ اس نصب العین سے دست بردار ہو جائے۔ وہ مسلمانوں کے جماعتی حقوق و فوائد کا تحفظ ضروری سمجھتا ہے۔ لیکن اس طریقِ عمل سے انکار کرتا ہے کہ مسلمان ہندوؤں کے طرزِ عمل سے روٹھکر اجنبی حکومت کی آڑ پکڑ لیں اور ان کی ہستی ہمیشہ ملک کی قسمت کے لئے ایک دھمکی کی طرح استعمال کی جائے۔ اگر ہندوؤں سے انہیں منصفانہ طرزِ عمل کا مطالبہ کرنا ہے تو پوری قوت سے کرنا چاہیئے لیکن ساتھ ہی ضروری ہے کہ ہماری باہمی آویزش ملکی جنگ کے میدان سے ہمیشہ الگ رہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ عمل اور سرگرمی کے ان ابتدائی اور بے سود طریقوں پر وہ قطعاً اعتقاد نہیں رکھتا۔ جنہیں سنہ ۱۹۲۱ء کی تبدیلی کا دروازہ بند کر چکا ہے۔ کوئی میدان ہو وہ یقین کرتا ہے کہ جدوجہد کی اصلی روح قربانی و ایثار اور عملی اقدام ہے۔ گذشتہ تحریک ملک کی قوتِ عمل کے لئے ایک پورا امتحان تھی۔ جن جن قدموں میں چلنے کی سکت تھی وہ چل اٹھے۔ جو نہ چل سکے انہوں نے ثابت کر دیا کہ اسباب کچھ ہوں لیکن ان کے لئے چلنا مشکل ہے۔ اب جو حلقہ مسلمانوں میں ہر جگہ خلافت کمیٹی کا حلقہ سمجھا جاتا ہے یہ گویا مسلمانوں کی موجودہ قوتِ عمل کا خلاصہ ہے۔ اگر موجودہ دور میں کسی طرح کی بھی عملی سرگرمی جاری رکھنی ہو تو یہ ناگزیر ہے کہ اسی مواد سے کام

اپنے گذشتہ اصول و عقائد سے دست بردار ہو جائیں۔ وہ اگرچہ دوسرے مقصد سے انکار نہیں کرتے تاہم وہ بھی محسوس کرنے لگے ہیں۔ کہ اگر خلافت کمیٹیوں کے لئے ملک کے اندر کوئی معین اور جاری کام نہیں ہے تو پھر یہ پورا کارخانہ کیونکر قائم رکھا جا سکتا ہے۔ اور اگر نہیں رکھا جا سکتا تو کیوں قائم رکھا جائے؟

حضرات! مجھے آخری خیال کے وزن سے انکار نہیں مگر میں پہلے سے بھی متفق نہیں ہو سکتا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ جہاں تک باہر کے اسلامی مسائل کا تعلق ہے معاملات نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ ان کے لئے صرف مرکزی خلافت کمیٹی بھی کافی ہو سکتی ہے۔ لیکن مجھے اس سے انکار ہے کہ ہندوستان کی سیاست و عمل کی زندگی میں مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا چاہئے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ بحالت موجودہ اگر وہ کارکن حلقہ باقی نہ رہا جو خلافت کمیٹی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ تو لازمی نتیجہ یہی ہوگا کہ مسلمانوں کی جماعتی سرگرمیوں کو آگے بڑھنے کی جگہ پیچھے ہٹنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ اور گذشتہ تحریک نے اعتقاد و عمل کی جو ایک خاص آب و ہوا پیدا کر دی ہے۔ وہ ایک عرصہ تک کے لئے معدوم ہو جائے۔ ذرا تفصیل کے ساتھ غور کیجئے کہ موجودہ صورت حال کیا ہے؟ خلافت کمیٹی کو صرف اس کے نام میں نہیں دیکھنا چاہئے نام تو صرف اس تختی کا سوال ہے۔ جو اس کے دفتر کے دروازہ پر لگا دی جاتی ہے۔ دراصل خلافت کمیٹی مسلمانوں کے اس کارکن حلقہ کی نمائندگی کرتی ہے جس کے عقائد و اعمال کی چند خاص خاص خصوصیتیں ہیں۔ اور انہی خصوصیتوں کی بنا پر اس کا ایک خاص حلقہ ملک میں قائم ہو گیا ہے۔ یہ حلقہ مسلمانان ہند کی جماعتی زندگی میں سنہ ۱۹۲۲ء کی ایک نئی کڑی پیدا کرتا ہے۔ جو سنہ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۲ء تک کے دماغی تغیرات کا قدرتی نتیجہ تھی۔ اگر یہ کڑی نکال دی جائے تو مسلمانوں کا

کے لئے وقف ہو جائیں۔ بہ حیثیت ملک کی ایک بڑی جماعت کے مسلمانوں کی تعلیمی، معاشرتی، اور عام دماغی اصلاح و ترقی کا کام ہر حال میں ایک مقدم اور ناگزیر کام ہے۔ اگر ملک کے سامنے سیاسی حرکت کے لئے کوئی عملی پروگرام موجود نہیں اور بحالت موجودہ جس قدر بھی سرگرمی جاری رکھی جا سکتی ہے۔ اس میں انڈین نیشنل کانگریس مشغول ہے۔ تو چاہیئے کہ یہ موقعہ ہم کسی صحیح تعمیری کام میں صرف کر دیں۔ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے ۱۹۲۰ء کی حرکت سے پہلے کوئی مہارت ایسی نہیں پائی کہ عوام کی اصلاح و ترقی کے لئے چار پانچ سال تک بھی کوئی سرگرمی جاری رہی ہوتی۔ اس کا افسوسناک نتیجہ آج ہم اس رد عمل (ری ایکشن) میں دیکھ رہے ہیں جس نے اچانک تمام ملک کو انتشار اور افسردگی کے حوالہ کر دیا ہے۔ اب اگر ہم اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم آئندہ چند سالوں میں وہی کام انجام دے لیں جو گذشتہ چند سالوں کے اندر نہیں کیا گیا۔ اگر ہم اس کام میں تھوڑی سی بھی کامیابی حاصل کر سکتے۔ تو یہ مسلمانوں کے لئے بہ حیثیت ایک جماعت کے اور ملک کے لئے بہ حیثیت مجموعی ایک عظیم الشان خدمت ہوگی۔ میرا خیال تھا کہ اس کام کا ایک بڑا ٹکڑہ جو بغیر کسی جماعتی خصوصیت کے کیا جا سکتا ہے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی اپنے ہاتھ میں لیلے۔ لیکن اگر کانگریس سر دست کوئی ایسا کام شروع نہیں کر سکتی تو ملک کی تمام جماعتوں کو چاہیئے کہ اپنے اپنے حلقوں میں شروع کر دیں۔ کم از کم آپ کو تو آمادہ ہو جانا چاہیئے۔ کہ مسلمانوں میں تعمیری کام شروع کر دیں۔ اگر خلافت کمیٹیوں کا نظام کسی ایسے کام میں

لیا جائے۔ اس سے باہر کوئی ایسا مواد موجود نہیں جو کسی طرح کی عملی سرگرمی شروع کرسکے۔

میں اس وقت دلائل اور تفصیل سے کام نہیں لوں گا۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں میرا مدعا ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ کیا آپ اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتے کہ مسلمانوں میں اعتقاد اور فکر کا یہ مذہب (اسکول) قائم رکھنا چاہیے؟ میں تو محسوس کرتا ہوں کہ اس کی ضرورت ہے اور اگر یہ حلقہ سردست اپنی جگہ خالی کردے تو صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ خالی رہیگی بلکہ ایسی جماعتیں آگے بڑھ آئیں گی۔ جن سے نہ تو کسی طرح کی صحیح عملی سرگرمی کی امید کی جاسکتی ہے۔ نہ وہ آگے کی طرف کوئی نگاہ رکھتی ہیں۔ اگر مسلمان موجودہ انتشار اور افسردگی کے وقفہ میں اور کچھ نہیں کرسکتے۔ تو کم ازکم انہیں پیچھے تو نہیں دیکھنا چاہیے۔

البتہ ایک مسئلہ کا فیصلہ ناگزیر ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ آپ اس کا فیصلہ کرلیں کہ آپ کے لئے اہم ترین کام خود ہندوستان کے اندر کی زندگی اور اس کی ضروریات ہیں یا نہیں؟ اگر آپ کا جواب اثبات میں ہو تو آپ کو غور کرنا چاہیئے کہ اس راہ میں کوئی معین اور عملی قدم اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟ آپ نے پانچ سال تک ہندوستان کے باہر کے اسلامی اور مشرقی مسائل کے لئے جد وجہد کی اور جس قدر نتائج اس سے نکل سکتے تھے حاصل ہوئے۔ لیکن موجودہ صورت حال کیا ہے؟ یہ ہے کہ آپ اپنے ملک کے اندر بدستور قید و بند کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ آپ کی حالت صرف آپ کی نجات کی راہ ہی میں نہیں۔ بلکہ تمام ایشیا اور مشرق کی راہ میں روک ہے۔ پس ضروری ہے کہ آپ کی قوتیں اپنے ملک کی اندرونی خدمات

سکتے ہیں۔ ان کی تکلیفیں دور نہیں کر سکتے۔ وقت کی ضروریات کا احساس پیدا نہیں کر سکتے جب تک ان کے فہم و استعداد کے مطابق ان سے ہمارا ایک دائمی ذریعہ خطاب و درس قائم نہ ہو جائے۔ اس کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ موجودہ نسل میں جس کی ابتدائی تعلیم کا زمانہ گزر چکا ہے نوشت و خواند کی تعلیم عام کرنا اور باقاعدہ و مرتب تعلیمی اسباق کے ذریعہ جو مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی تعلیمات پر مشتمل ہوں عوام کی تمام جماعتوں کو مسلسل تعلیم دینا۔

اگر ہم نے اَن پڑھ عوام کی ایک بڑی تعداد میں اتنی استعداد پیدا کر دی کہ وہ اٹک اٹک کر اردو عبارت پڑھ لیں اور غلط سلط اردو لکھ لیں۔ تو آپ یقین کیجئے کہ ہر طرح کی اصلاح و ترقی کے دروازے جو کسی حال میں بھی نہیں کھل سکتے تھے۔ ہم نے یہ یک دفعہ ان پر کھول دیئے۔ اسی طرح اگر ہم نے ۱۹۲۶ء میں کم از کم اتنا بھی کر لیا کہ ہم ایک خاص مقدار کی مفید اور ضروری تعلیم لیکچروں کے ذریعہ عوام کے مختلف حلقوں کو دیتے رہے۔ اس کی مسلسل صدائیں ان کے دلوں تک اترتی رہیں، اور اس طرح کارکن حلقہ میں اور عوام میں روزانہ خطاب اور مقابلہ کا تعلق قائم ہو گیا تو غور کیجئے کہ ۱۹۲۶ء کی جماعتی استعداد سے ۱۹۲۷ء کس درجہ مختلف ہو گا؟

میں سمجھتا ہوں کہ آپ کو سر دست صرف یہ تعلیمی پروگرام اختیار کرنا چاہئے۔ اور اس میں بھی صرف چار چیزوں پر قناعت کر لینی چاہئے

(۱) عوام کے موجودہ طبقہ میں نوشت و خواند کی اشاعت اور اس کے لئے نائٹ اسکولوں کا قیام اکثر صورتوں میں ان کے لئے

مشغول ہو جائے تو پھر میں یقین کے ساتھ کہوں گا کہ ان کے غیر ضروری ہونے کا کوئی سوال درپیش نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ آپ نے گذشتہ سال ایک پروگرام منظور کیا تھا جو آپ کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ اس میں کام کی متعدد دفعات جمع کی گئی ہیں۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ وہ اپنی موجودہ شکل میں آپ کے لئے مفید عمل ہو سکتا ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ آپ سب سے پہلے اس پہلو پر غور کریں کہ مسلمانوں کی جماعتی اصلاح و ترقی کے لئے بنیادی سطح کونسی ہے۔ اور پھر کوئی ایک معین، واضح، اور سہل العمل قدم اس طرف اٹھاویں۔

سنہ ۱۹۲۶ء اور تعمیری پروگرام

تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لئے ہر حال میں مقدم کام عوام کی تعلیم ہے۔ یہی کام سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اور اسی کی طرف سے ہمیشہ اغماض کیا گیا ہے۔ تعلیم کے لفظ کو یہاں اس کے زیادہ وسیع معنوں میں لیجئے۔ تعلیم سے مقصود صرف وہ تعلیم ہی نہیں ہے۔ جو قواعد اور منضبط اصول کے ذریعہ مکتبوں اور مدرسوں میں دی جاتی ہے۔ یہ تو دراصل آنے والے عہد کے لئے ہے۔ جنہیں آج پڑھایا جا رہا ہے۔ وہ کل کام کریں گے۔ لیکن قوم کو اس کی موجودہ حالت میں بلند کرنے کیلئے ضروری ہے کہ موجودہ نسل کی دماغی حالت اور عملی استعداد درست کی جائے۔ وقت کی تمام مشکلات کا یہی علاج ہے۔

ہم عوام میں باہمی اتحاد پیدا نہیں کر سکتے، عملی سرگرمی ابھار نہیں

نتائج تولنے کا صحیح طور پر موقعہ مل سکے۔ اگر آپ اس سال عملی سرگرمی پیدا کرنی چاہتے ہیں۔ تو چاہئے کہ روپیہ کی مسلسل طلبی و وصولی کا طریقہ ملتوی کر دیجئے۔ آج یہاں طے کر لیجئے کہ ۱۹۲۶ء کے کاموں کے لئے خصوصاً اس تعلیمی پروگرام کے لئے آپ کو کم از کم کس قدر روپیہ چاہئے۔ اس کے بعد سال کی پہلی سہ ماہی صرف اس رقم کی طلبی و وصولی کے لئے وقف کر دیجئے۔ خلافت کمیٹی کا تمام نظام تین ماہ تک صرف اسی کام میں مشغول رہے۔ اس عرصہ میں پبلک کا فرض ہے کہ وہ آپ کو روپیہ دے اور اس کا مطالبہ نہ کرے۔ کہ آپ کام کر رہے یا نہیں۔ اس کے بعد کے نو ماہ خالص عمل اور مشغولیت کے ماہ ہونے چاہئیں۔ ان نو مہینوں کے ہر دن کے لئے آپ پبلک کے سامنے جواب دہ ہونگے۔ سال کے خاتمہ پر وہ فیصلہ کر سکے گی کہ کس قدر روپیہ آپ کو دیا گیا تھا۔ اور کس قدر آپ نے کام انجام دیا۔

مؤتمر حجاز

حضرات! ۱۹۲۶ء کا دوسرا اہم کام آپ کے لئے مجوزہ مؤتمر حجاز ہے جس کا پیام دعوت امیر عبدالعزیز آل سعود کی جانب سے تمام عالم اسلامی کو دیا جا چکا ہے۔ اور خصو[illegible]ت کے ساتھ آپ کے نام بھی پہنچ چکا ہے مؤتمر حجاز بجائے خود ایک ضروری کام ہے۔ لیکن حجاز کے م[illegible]ل نے اس کی ضرورت اور زیادہ اہم کر دی ہے۔ تاریخ اسلام کو صدیوں کے بعد موقعہ ملا ہے کہ سرزمین حجاز کو اصلاح و عمل کے لئے مستعد دیکھے اس دور کے آغاز کے لئے سب سے پہلا کام موسم حج میں مؤتمر اسلام کا انعقاد ہے۔ ہمارا وفد اس وقت حجاز میں موجود ہے۔ اور امید ہے کہ

مساجد کافی ہیں۔

(۲) عوام کی مذہبی، اخلاقی، اور معاشرتی، اصلاح و ترقی کے لئے ایسی تعلیم گاہوں کا اجرا، جہاں مرتب و مسلسل لکچروں کے ذریعہ اس طرح تعلیم دی جائے کہ ہر مہینے کا ایک معین کورس ہو اور اس میں ایک خاص مقدار کی مفید اور ضروری معلومات موجود ہوں اس کے لئے بھی اکثر حالتوں میں مسجد بہترین محل ہے۔

(۳) جہاں تک ممکن ہو۔ عوام کے لئے قرأت خانوں (ریڈنگ روموں) کا قیام۔

(۴) کوشش کی جائے کہ جمعہ کے خطبات کی اصلاح ہو اور اُن کے ذریعہ ضروری اور مفید تعلیم ہفتہ وار سامعین کو مل سکے۔

اس پروگرام کے نفاذ کے لئے لکچروں اور خطبوں کی ترتیب و اشاعت ضروری ہے۔ اور اس کا خود مرکزی خلافت کمیٹی کو انتظام کرنا چاہیے۔

روپیہ کی فراہمی

حضرات! روپیہ کی فراہمی کے لئے بھی اس وقت تک جو طرزِ عمل چلا آتا ہے میں سمجھتا ہوں۔ اب اس میں تھوڑی سی تبدیلی کرنی چاہیے۔ یہ ظاہر ہے کہ بغیر روپیہ کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ حالت زیادہ عرصہ تک چل نہیں سکتی۔ کہ عوام سے روپیہ کی مسلسل طلبی بھی جاری رہے اور کام کا اعلان و وعدہ بھی ہوتا رہے ہمیں چاہیے کہ اب ایسا طرزِ عمل اختیار کریں کہ لوگوں کو روپیہ دینے اور اس کے

اس باب میں اس کے ذریعہ عنقریب مفصل اطلاعات موصول ہوں گی۔ بہت ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں بعض اہم خدمات کے انصرام میں مرکزی خلافت کمیٹی کو نمایاں حصہ لینا پڑے۔ امید ہے کہ مسلمانانِ ہند کی رائے عامہ ہمیشہ اس کی اعانت میں سرگرم رہے گی۔

خاتمہ

حضرات! آخر میں میرے لئے صرف یہ رہ گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے توفیقِ عمل کے لئے دست بدعا ہوں۔ اگر ہماری نیتیں اخلاص سے اور ہمارے قلوب عزم سے خالی نہیں ہیں۔ تو ہمیں راہ کی مشکلات پر نہیں بلکہ رہنمائے حقیقی کی دستگیری پر نظر رکھنی چاہیئے۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا
من لدنک رحمہ